ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3921

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: عقیدہ و علم الکلام (3921) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1-4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں؛ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل نہ کریں۔ اس گائیڈ میں دینی مباحث خالصتاً علمی اور تعلیمی انداز میں بیان کیے گئے ہیں؛ کسی فرد یا خاص واقعے پر کسی شرعی حکم کا اطلاق مستند علماء اور اہلِ اختیار کا کام ہے، اس لیے عملی راہنمائی کے لیے اہلِ علم سے رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: دین، اسلام اور ایمان کا تقابلی جائزہ

سوال نمبر 1: دین، اسلام اور ایمان کے لغوی و شرعی مفہوم کا مختصر تقابلی جائزہ لیں۔ (20 نمبر)

تعارف

دین، اسلام اور ایمان تین بنیادی اصطلاحات ہیں جن پر پورے نظامِ عقیدہ کی عمارت قائم ہے۔ عام گفتگو میں یہ الفاظ کبھی ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں اور کبھی ان میں باریک فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ علمِ عقیدہ اور علمِ کلام کا طالب علم اگر ان تینوں اصطلاحات کے لغوی اور شرعی مفاہیم سے واقف نہ ہو تو آگے چل کر توحید، رسالت اور آخرت جیسے مباحث کو درست تناظر میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس جواب میں پہلے تینوں اصطلاحات کا لغوی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر شرعی و اصطلاحی تعریف پیش کی جائے گی اور آخر میں ان کا مختصر تقابلی جائزہ لے کر ان کے باہمی تعلق کو واضح کیا جائے گا۔

دین کا لغوی مفہوم

عربی زبان میں لفظ دین کے کئی لغوی معانی بیان کیے گئے ہیں، جن میں جزا و سزا، اطاعت و فرمانبرداری، عادت، ر[illegible]، قانون اور غلبہ و تسلط شامل ہیں۔ اہلِ لغت کے نزدیک اس لفظ کا مادہ ایسے باہمی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جس میں ایک طرف حکم دینے اور حساب لینے والا ہو اور دوسری طرف حکم ماننے اور جواب دہ ہونے والا۔ اسی لیے قرض کے لین دین کو بھی عربی میں اسی مادے سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں بھی ادائیگی اور جواب دہی کا تصور پایا جاتا ہے۔ یومِ جزا کو قرآن و حدیث کی زبان میں اسی لفظ سے یاد کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کو جزا کے دن کا مالک قرار دیا گیا ہے (سورۃ الفاتحہ، آیت 4 کا مفہوم)۔

لغوی مفاہیم کی اس وسعت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین محض چند رسومات یا عبادات کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطہ ہے جس کے تحت انسان کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کرتا ہے، اس کے احکام کی پابندی کرتا ہے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم و جدید تمام زبانوں میں مذہب کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ میں بھی اطاعت، پابندی اور وابستگی کے مفاہیم کسی نہ کسی صورت میں موجود ملتے ہیں۔

دین کا شرعی مفہوم

شرعی اصطلاح میں دین سے مراد وہ مکمل نظامِ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا اور جسے قبول کرنا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا انسان پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام کو قرار دیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش کرے گا، وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا (سورۃ آلِ عمران، آیت 19 اور آیت 85 کا مفہوم)۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی اعتبار سے دینِ حق ایک ہی ہے اور وہ وہی ہے جو وحی کے ذریعے عطا ہوا۔

علما نے دین کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ یہ ان الٰہی احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے جن پر عمل کرنے سے انسان دنیا میں بھی راہِ راست پر رہتا ہے اور آخرت میں بھی کامیابی و نجات حاصل کرتا ہے۔ اس تعریف میں تین عناصر نمایاں ہیں: پہلا عنصر عقائد ہیں، یعنی ان حقیقتوں پر ایمان جن کا علم وحی سے حاصل ہوتا ہے؛ دوسرا عنصر شریعت و احکام ہیں، یعنی عملی زندگی کے قواعد؛ اور تیسرا عنصر اخلاق و تزکیہ ہے، یعنی باطن کی اصلاح۔ دین کا دائرہ اس اعتبار سے اسلام سے وسیع بھی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ہر نبی کی امت کے لیے بھی دین کا لفظ استعمال ہوا ہے، جبکہ اسلام عموماً اس آخری و کامل صورت کے لیے بولا جاتا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا ہوئی۔

اسلام کا لغوی مفہوم

اسلام کا مادہ س ل م ہے، جس کے بنیادی معانی سلامتی، امن اور ہر عیب سے پاکیزگی کے ہیں۔ اسی مادے سے ایک مفہوم سر تسلیم خم کرنے، خود کو کسی کے سپرد کر دینے اور اطاعت اختیار کرنے کا بھی لیا جاتا ہے۔ اہلِ لغت کے بیان کے مطابق اسلام کا مطلب ہے گردن جھکا دینا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کر دینا۔ اس لغوی پس منظر سے اسلام کی روح خوب واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نام ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اور اسی تابع داری میں اس کے لیے دنیا و آخرت کی سلامتی ہے۔

اسلام کا شرعی مفہوم

شرعی اصطلاح میں اسلام سے مراد زبان سے کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا اور نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسی ظاہری عبادات و احکام کی پابندی اختیار کرنا ہے۔ حدیثِ جبریل میں جب اسلام کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں پانچ ارکان بیان کیے گئے: اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا (صحیح مسلم، کتاب الایمان کی مشہور روایت کا مفہوم)۔ اس سے واضح ہوا کہ اسلام خاص طور پر ظاہری اعمال و ارکان سے تعلق رکھتا ہے، یعنی انسان کا ظاہر شریعت کے تابع ہو جائے۔

قرآن مجید نے بھی بعض مقامات پر اسلام کو اسی ظاہری فرماں برداری کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً اعراب کے بارے میں کہا گیا کہ انہیں یہ کہنا چاہیے کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، کیونکہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا (سورۃ الحجرات، آیت 14 کا مفہوم)۔ اس آیت سے اسلام اور ایمان کے باہمی فرق کی بنیاد بھی ملتی ہے جس کی طرف آگے تقابلی جائزے میں اشارہ کیا جائے گا۔

ایمان کا لغوی مفہوم

ایمان کا مادہ امن ہے، جس کا مطلب ہے خوف سے محفوظ ہونا اور دل کا مطمئن ہو جانا۔ لغوی اعتبار سے ایمان تصدیق کو کہتے ہیں، یعنی کسی بات کو سچا مان لینا اور دل سے اس کی تائید کر دینا۔ جب انسان کسی خبر دینے والے کی خبر کو سچ مان کر قبول کر لیتا ہے تو اس کے دل کو ایک طرح کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور تردد و شبہ دور ہو جاتا ہے، اسی لیے تصدیق کو ایمان کہا گیا۔ اس کے مقابلے میں کفر کا مطلب انکار اور ناشکری ہے اور جحود کا مطلب جان بوجھ کر حق کو نہ ماننا ہے۔

ایمان کا شرعی مفہوم

شرعی اصطلاح میں ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر دل سے یقین و تصدیق کرنا ہے۔ حدیثِ جبریل میں ایمان کی یہی چھ بنیادیں بیان کی گئی ہیں (صحیح مسلم، کتاب الایمان کی روایت کا مفہوم)۔ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک ایمان کی حقیقت دل کی تصدیق ہے اور زبان کا

اقرار اس کے ظاہری اظہار و تکمیل کے لیے ہے، جبکہ بعض علما نے اعمال کو بھی ایمان کی کمالیت کا جز قرار دیا ہے۔ ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے مسئلے میں بھی اہلِ سنت کا مشہور موقف یہ ہے کہ اطاعت سے ایمان میں کیفیت و کمال کی زیادتی ہوتی ہے اور معصیت سے اس میں کمی آتی ہے؛ اس علمی اختلاف کی تفصیل علمِ کلام کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے اور کسی خاص فرد کے ایمان کا فیصلہ کرنا اس بحث کا موضوع نہیں ہے۔

ایمان کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے شریعت نے ظاہری معاملات چلانے کے لیے اسلام یعنی ظاہری اقرار و اعمال کو بنیاد بنایا ہے، جبکہ آخرت کی نجات کا دار و مدار اصل میں ایمان و تصدیق پر ہے۔ یہ فرق سمجھ لینے سے بہت سی علمی و عملی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

تقابلی جائزہ

مذکورہ بالا تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین سب سے وسیع اصطلاح ہے جو پورے الٰہی نظام کا نام ہے؛ اسلام اس نظام کی ظاہری و عملی صورت ہے اور ایمان اس کی باطنی و قلبی بنیاد ہے۔ جب یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو ہر ایک کا الگ مفہوم مراد لیا جاتا ہے، اور جب الگ الگ مواقع پر استعمال ہوں تو بسا اوقات ایک دوسرے کے مفہوم کو بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ علما نے اس اصول کو یوں بیان کیا ہے کہ اجتماع کی صورت میں یہ اصطلاحات افتراق رکھتی ہیں اور انفراد کی صورت میں ایک دوسرے کو شامل ہو جاتی ہیں۔ ذیل کی جدول میں یہ تقابل اختصار سے دیکھا جا سکتا ہے۔

جدول: دین، اسلام اور ایمان کا تقابلی خلاصہ

پہلو	دین	اسلام	ایمان
لغوی مفہوم	جزا، اطاعت، قانون، جواب دہی	سلامتی، سپردگی، گردن جھکانا	تصدیق، دل کا اطمینان، امن
شرعی مفہوم	اللہ کا نازل کردہ مکمل نظامِ ہدایت	کلمہ و ارکان سمیت ظاہری فرماں برداری	چھ ارکانِ ایمان کی قلبی تصدیق

خاص طور پر باطن و دل سے	خاص طور پر ظاہر و اعمال سے	عقائد، احکام اور اخلاق، تینوں سے	تعلق کس سے ہے؟
حدیثِ جبریل (صحیح مسلم)	حدیثِ جبریل؛ سورۃ الحجرات، آیت 14	سورۃ آلِ عمران، آیات 19 و 85	نمایاں ماخذ
دین کی باطنی و قلبی بنیاد	دین کی عملی و ظاہری صورت	سب سے وسیع و جامع	دائرہ

اس تقابل سے ایک اور اہم بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کی دینی زندگی اسی وقت متوازن و مکمل ہوتی ہے جب اس کا ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو اور باطن بھی یقین و اخلاص سے آراستہ ہو۔ کسی ایک پہلو کی رعایت اور دوسرے کی کوتاہی دینی توازن کو بگاڑ دیتی ہے۔ اسی لیے نصوص میں بار بار ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر جوڑ کر کیا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ مطلوب صورت دونوں کے اجتماع کی ہے۔

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ مکمل نظام کا نام ہے جس میں جزا و سزا اور جواب دہی کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ اسلام اسی نظام کی ظاہری اطاعت و سپردگی کا عنوان ہے جس کے پانچ ارکان مشہور ہیں؛ اور ایمان ان بنیادی حقیقتوں کی دلی تصدیق کا نام ہے جن کا علم وحی سے حاصل ہوا۔ لغوی و شرعی مفاہیم کا یہ مختصر تقابل طالب علم کو آئندہ تمام عقائدی مباحث کی درست بنیاد فراہم کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان اصطلاحات کو سیاق و سباق کے مطابق سمجھنا علمِ عقیدہ کی پہلی شرط ہے۔

سوال نمبر 2: عقیدۂ توحید اور شرک کی اقسام

سوال نمبر 2: عقیدۂ توحید کا معنی بیان کرتے ہوئے شرک کی مختلف اقسام کی وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

توحید اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکز یہی عقیدہ رہا ہے اور انسان کی دنیاوی و اخروی کامیابی کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے۔ توحید کے بالمقابل شرک ہے، جسے قرآن مجید نے سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے (سورۃ لقمان، آیت 13 کا مفہوم)۔ اس جواب میں پہلے توحید کا لغوی و شرعی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر توحید کی معروف اقسام کا مختصر تعارف کرایا جائے گا اور اس کے بعد شرک کی تعریف اور اس کی مختلف اقسام کی وضاحت کی جائے گی۔ یہ بحث خالصتاً علمی و تعلیمی ہے؛ کسی خاص شخص یا عمل پر شرک کا حکم لگانا اس جواب کا موضوع نہیں، کیونکہ ایسے اطلاقات میں شرائط و موانع کا لحاظ سند اہلِ علم کا کام ہے۔

توحید کا مفہوم

لغوی اعتبار سے توحید کے معنی کسی چیز کو ایک قرار دینا اور وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں توحید سے مراد اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات میں یکتا ماننا، اسی کو خالق و مالک و مدبر سمجھنا اور عبادت کی تمام اقسام کو صرف اسی کے لیے خاص کرنا ہے۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، بے نیازی اور بے مثال ہونے کا جامع بیان آیا ہے اور اس سورت کو توحید کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے (سورۃ الاخلاص کا مفہوم و مراجعہ تفسیر)۔ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ دراصل اسی عقیدے کا اعلان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق توحید کے تقاضے تین بڑے شعبوں میں بیان کیے جاتے ہیں، جنھیں علما توحیدِ ربوبیت، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء و صفات کہتے ہیں۔ توحیدِ ربوبیت کا مطلب ہے کہ پیدا کرنے، رزق دینے، زندہ کرنے، مارنے اور کائنات کا نظام چلانے میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ توحیدِ الوہیت کا مطلب ہے کہ نماز، دعا، نذر، قربانی اور توکل جیسی عبادات صرف اللہ کے لیے ہوں۔ توحیدِ اسماء و صفات کا مطلب ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات کو اسی طرح مانا جائے جس طرح وہ نصوص میں بیان ہوئے، بغیر ان میں تحریف، تعطیل، تشبیہ یا کیفیت کی تعیین کیے۔ یہ درجہ بندی بعد کے علما نے نصوص کے استقراء سے مرتب کی ہے تاکہ توحید کے تمام پہلو منظم انداز میں سمجھے جا سکیں۔

شرک کی تعریف

شرک کے لغوی معنی شریک ٹھہرانا اور حصے دار بنانا ہے۔ شرعی اصطلاح میں شرک سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ربوبیت، الوہیت یا اسماء وصفات میں کسی غیر کو شریک قرار دینا یا وہ عبادت و تعظیم کسی غیر کی طرف منسوب کرنا ہے جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا (سورۃ النساء، آیت 48 کا مفہوم)۔ اسی طرح یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مشرک کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں (سورۃ الانعام، آیت 88 کا مفہوم)۔ ان نصوص سے شرک کی سنگینی واضح ہوتی ہے، تاہم توبہ کا دروازہ دنیا میں ہر شخص کے لیے کھلا رہتا ہے، یہ بھی قرآن کی صریح تعلیم ہے (سورۃ الزمر، آیت 53 کا مفہوم)۔

شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر

علما نے سنگینی کے اعتبار سے شرک کی دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں: شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر۔ شرکِ اکبر وہ ہے جس میں عبادت کی بڑی اقسام میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، مثلاً اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا، اس کے لیے قربانی یا نذر مانی جائے، یا مردوں سے اس طرح استعانت کی جائے جو صرف اللہ سے مخصوص ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک شرکِ اکبر کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے، البتہ کسی معین شخص پر اس حکم کے اطلاق میں اقرار، علم اور موانع کی بحث اہلِ علم کے دائرے میں آتی ہے، اس لیے عام طالب علم کو اس اطلاق سے گریز کرنا چاہیے۔

شرکِ اصغر وہ ہے جو شرکِ اکبر کی حد کو تو نہیں پہنچتا لیکن شریعت نے اسے بھی شرک کا نام دے کر اس سے بچنے کی تنبیہ کی ہے۔ اس کی سب سے مشہور مثال ریاکاری ہے، یعنی عبادت لوگوں کو دکھانے یا ان سے تعریف پانے کے لیے کرنا۔ اسی طرح غیر اللہ کی قسم کھانا بھی روایات میں شرکِ اصغر کے ذیل میں آیا ہے (جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی روایات کا مفہوم)۔ شرکِ اصغر کی عملی سنگینی یہ ہے کہ یہ عمل کی قبولیت کو نقصان پہنچاتا ہے اور بعض اوقات رفتہ رفتہ بڑے شرک تک لے جانے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، اس لیے نصوص نے اس سے بھی شدت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

شرک کی اقسام بلحاظِ شعبہ

دوسری درجہ بندی کے مطابق شرک کی اقسام ان شعبوں کے لحاظ سے بیان کی جاتی ہیں جن میں اللہ کی یکتائی کا تقاضا ہے۔ شرک فی الربوبیت یہ ہے کہ خالقیت، مالکیت اور تدبیرِ کائنات میں کسی کو اللہ کا شریک مانا جائے، جیسے قدیم ثنویت میں خیر و شر کے دو الگ خالق مانے گئے تھے۔ شرک فی العبادہ یا فی الالوہیت یہ ہے کہ عبادت کی کوئی قسم غیر اللہ کے لیے کی جائے، اور تاریخِ مذاہب میں شرک کی سب سے زیادہ عام صورت یہی رہی ہے، کیونکہ مشرکینِ مکہ بھی اللہ کو خالق مانتے تھے مگر عبادت میں اوروں کو شریک کر لیتے تھے (سورۃ یونس، آیت 31 اور سورۃ العنکبوت، آیت 61 کا مفہوم)۔ شرک فی الاسماء والصفات یہ ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات جیسی صفات مخلوق کے لیے ثابت کی جائیں یا اللہ کی صفات کا انکار کر کے انہیں مخلوق کی صفات جیسا مانا جائے۔

جدول: شرک کی اقسام کا خلاصہ

قسم	مفہوم	مثال / وضاحت
شرکِ اکبر	عبادت کی بڑی اقسام میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا	غیر اللہ کے لیے سجدہ، قربانی یا نذر؛ دعا و استعانت میں اللہ کے برابر شریک ماننا
شرکِ اصغر	شرک نام دیا گیا مگر اکبر کی حد سے کم عمل	عبادت میں ریاکاری؛ غیر اللہ کی قسم کھانا
شرک فی الربوبیت	تخلیق و تدبیر میں شریک ماننا	خیر و شر کے دو مستقل خالقوں کا عقیدہ
شرک فی العبادہ	عبادت غیر اللہ کے لیے کرنا	مشرکینِ عرب کا بتوں کو وسیلہ بنا کر عبادت کرنا
شرکِ خفی	دل کی پوشیدہ کیفیات سے متعلق شرک	مخلوق کی رضا کو اللہ کی رضا پر مقدم رکھنا

ایک اور قسم شرکِ خفی ہے، جس سے مراد دل کی وہ پوشیدہ کیفیات ہیں جن میں اللہ کے سوا کوئی اور حقیقی محرک بن جائے، مثلاً اللہ کی رضا کے بجائے لوگوں کی رضا عمل کی اصل محرک بن جانا۔ محققین نے اس درجہ بندی کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ بندہ ظاہری شرک سے بھی بچے اور باطنی اخلاص کی بھی حفاظت کرے، کیونکہ توحید کا اصل حسن دل کے اخلاص سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مکمل اقرار ہے جو ربوبیت، الوہیت اور اسماء و صفات تینوں شعبوں پر محیط ہے، اور شرک اس کے بالکل برعکس اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا نام ہے، جس کی اقسام سنگینی کے اعتبار سے اکبر و اصغر اور شعبے کے اعتبار سے ربوبیت، عبادت اور صفات میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس علمی درجہ بندی کا مقصد عقیدے کی حفاظت اور شعور کی تربیت ہے، نہ کہ افراد پر فتوے لگانا؛ یہ کام شرائط و موانع کے علم کے ساتھ مستند علماء کا ہے۔

سوال نمبر 3: نبی و رسول کا فرق اور عقیدۂ ختمِ نبوت

سوال نمبر 3: نبی اور رسول کا فرق بیان کرتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کے نصوص واضح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

نبوت و رسالت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، اور اس کا آخری و فیصلہ کن نکتہ عقیدۂ ختمِ نبوت ہے، یعنی یہ ایمان کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس جواب میں پہلے نبی اور رسول کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کی جائے گی، پھر دونوں میں فرق کی معروف صورتیں بیان ہوں گی اور اس کے بعد ختمِ نبوت کے قرآنی و حدیثی دلائل کو حوالوں کے ساتھ اختصار سے پیش کیا جائے گا۔ تمام نصوص کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور کتبِ حدیث کے حوالے مراجعے کے لیے دیے گئے ہیں۔

نبی کی تعریف

لفظ نبی کا مادہ بعض اہلِ لغت کے نزدیک نباء ہے، جس کے معنی خبر کے ہیں؛ اس اعتبار سے نبی وہ شخصیت ہے جو اللہ کی طرف سے خبریں اور ہدایات لاتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبوہ ہے، جس کے معنی بلندی کے ہیں؛ اس اعتبار سے نبی بلند مرتبہ شخصیت کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر نبی سے مراد وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے شرعی ہدایات عطا فرمائے، خواہ اسے نئی شریعت دی گئی ہو یا سابقہ شریعت کی تائید و تجدید اس کے ذمے لگائی گئی ہو، اور اسے ان ہدایات کی تبلیغ کا حکم عام انداز سے بھی ہو سکتا ہے اور مخصوص انداز سے بھی۔

رسول کی تعریف

رسول کے لغوی معنی بھیجے ہوئے اور قاصد کے ہیں۔ اصطلاح میں رسول اس نبی کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نئی شریعت یا کتاب دے کر کسی قوم کی طرف بھیجے اور اسے اس شریعت کی کھلم کھلا تبلیغ و دعوت کا حکم دیا جائے۔ قرآن مجید میں بھیجنے اور ارسال کے الفاظ اسی مفہوم میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں، اور بہت سے انبیاء کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے جانے کا ذکر آیا ہے، مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات (سورۃ الاعراف کی متعلقہ آیات کا مفہوم)۔

نبی اور رسول میں فرق

نبی اور رسول کے فرق میں علما نے چند معروف صورتیں بیان کی ہیں۔ سب سے مشہور فرق یہ ہے کہ رسول کو نئی شریعت یا کتاب عطا کی جاتی ہے جبکہ نبی سابقہ شریعت کا تابع اور اسی کا مبلغ ہوتا ہے؛ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، اور رسول کا درجہ اس اعتبار سے خاص تر ہے۔ دوسری صورت یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول کو دعوت کا جہری و عام حکم ملتا ہے اور اس کی قوم کی طرف سے مخالفت و مقابلے کا مرحلہ بھی آتا ہے، جبکہ نبی کی تبلیغ کا انداز نسبتاً محدود بھی ہو سکتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے انبیاء کی تعداد رسولوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے؛ روایات میں انبیاء و رسل کی تعداد کے بارے میں جو اعداد آئے ہیں، ان کی سند و دلالت پر علما کی علمی بحث موجود ہے، اس لیے قطعی عدد کے تعین کے بجائے اصل ایمان یہی کافی ہے کہ اللہ نے ہر قوم کی طرف ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے (سورۃ النحل، آیت 36 کا مفہوم)۔

جدول: نبی اور رسول کا فرق

پہلو	نبی	رسول
لغوی مفہوم	خبر دینے والا / بلند مرتبہ	بھیجا ہوا قاصد / نمائندہ
وحی و شریعت	وحی عام ہوتی ہے؛ سابقہ شریعت کا مبلغ بھی ہو سکتا ہے	عموماً نئی شریعت یا کتاب کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے
تبلیغ کا حکم	تبلیغ کا حکم خصوصی یا محدود بھی ہو سکتا ہے	قوم کی طرف کھلی دعوت و تبلیغ کا خصوصی حکم
باہمی نسبت	ہر رسول نبی ہے، ہر نبی رسول نہیں	نبوت سے خاص تر درجہ
مقابلہ و آزمائش	نسبتاً کم بیان ہوا ہے	قوم کی مخالفت و آزمائش کا ذکر نمایاں ہے

یہ فرق اصطلاحی و توضیحی ہے؛ عملی اعتبار سے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام انبیاء و رسل پر بلا تفریق ایمان لایا جائے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں انبیاء کے درمیان تفریق نہ کرنے کا اعلان ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے (سورۃ البقرہ، آیت 285 کا مفہوم)۔

عقیدۂ ختمِ نبوت: مفہوم

ختمِ نبوت کا مطلب ہے کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل اور منقطع ہو گیا ہے۔ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول؛ جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی کے لیے نبوت مانے، وہ اس اجماعی عقیدے کے خلاف جاتا ہے۔ اس عقیدے کی اہمیت اس لیے بھی دوچند ہے کہ اسی کے نتیجے میں شریعتِ محمدی کی حفاظت، تکمیل اور قیامت تک کے لیے اس کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔ سورۃ المائدہ میں دین کے مکمل کر دیے جانے اور نعمت کے اتمام کا اعلان اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے (سورۃ المائدہ، آیت 3 کا مفہوم)۔

قرآنی نصوص

اس عقیدے کی سب سے صریح دلیل سورۃ الاحزاب کی آیت 40 ہے، جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے۔ لفظ خاتم کے معنی مہر اور آخری کے ہیں، جیسے خط کے آخر میں مہر لگانے سے اس کا مضمون مکمل اور بند ہو جاتا ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ قرآن میں آپ کی رسالت کو تمام بنی نوع انسان کے لیے قرار دینا (سورۃ سبا، آیت 28 کا مفہوم) اور آپ کو تمام انس و جن کی طرف بھیجا جانا بھی اسی جامعیت و خاتمیت کی تائید کرتا ہے کہ اب کسی نئی نبوت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

حدیثی نصوص

احادیث میں ختمِ نبوت کی وضاحت متعدد انداز سے آئی ہے۔ ایک مشہور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ایک عمارت کی آخری اینٹ سے تشبیہ دی جس کے بغیر عمارت مکمل نہیں ہوتی تھی اور آپ کے آنے سے نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت کا مفہوم)۔ ایک اور روایت میں آپ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے (صحیح مسلم، کتاب الامارہ و دیگر ابواب کی روایات کا مفہوم)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا گیا کہ تمہارا میرے ساتھ وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰ کے ساتھ تھا، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ روایت کا مفہوم)۔ اس کے علاوہ قیامت کے قریب جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ظہور کی پیش گوئی بھی روایات میں آئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سچی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایات کا مفہوم)۔

اجماع و تاریخی تسلسل

امتِ مسلمہ کا چودہ صدیوں سے اس عقیدے پر اجماع چلا آ رہا ہے۔ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب جیسے مدعیانِ نبوت کے مقابلے میں اسی عقیدے کی بنیاد پر موقف اختیار کیا، جو اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ ختمِ نبوت صحابہ کے نزدیک بھی مسلمہ و فیصلہ کن عقیدہ تھا۔ تمام مکاتبِ فکر کے علما نے اپنی

عقائد کی کتابوں میں اس عقیدے کو صراحت سے درج کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ کسی فرد کے بارے میں اس عقیدے سے متعلق فیصلہ اور اس کے قانونی و شرعی نتائج اہلِ علم و اختیار کے دائرے کی بات ہے؛ طالب علم کا فریضہ عقیدے کی علمی سمجھ حاصل کرنا ہے۔

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبی اللہ کی وحی پانے والی شخصیت کا عام عنوان ہے اور رسول اس خاص نبی کو کہا جاتا ہے جو نئی شریعت یا کتاب کے ساتھ قوم کی طرف بھیجا جائے؛ اور عقیدۂ ختمِ نبوت قرآن کی صریح آیت، متعدد احادیث اور امت کے مسلسل اجماع سے ثابت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔

سوال نمبر 4: ملائکہ کی حقیقت اور چار بڑے فرشتے

سوال نمبر 4: ملائکہ کی حقیقت کیا ہے اور چار بڑے فرشتوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ (20 نمبر)

تعارف

فرشتوں پر ایمان اسلام کے چھ ارکانِ ایمان میں سے دوسرا رکن ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہیں جو عام انسانی آنکھ سے پوشیدہ ہیں، مگر قرآن و حدیث نے ان کے وجود، صفات اور ذمہ داریوں کی اتنی تفصیل بیان کی ہے کہ ان پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے لازم قرار پایا۔ اس جواب میں پہلے فرشتوں کی حقیقت و تخلیق بیان کی جائے گی، پھر ان کی اہم خصوصیات کا ذکر ہو گا اور اس کے بعد چار بڑے و مشہور فرشتوں، حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام کی ذمہ داریاں تفصیل سے پیش کی جائیں گی۔

ملائکہ کی حقیقت و تخلیق

ملائکہ ملک کی جمع ہے، جس کے معنی قاصد اور بھیجے ہوئے کے ہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کی مخلوق تک پہنچانے اور ان پر عمل درآمد کرانے کے لیے مقرر ہیں۔ روایت میں بیان ہوا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جنات آگ کے شعلے سے اور انسان مٹی سے (صحیح مسلم، کتاب الزہد کی روایت کا مفہوم)۔ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے، جن کا مکمل علم اللہ ہی کو ہے۔ قرآن مجید نے فرشتوں کے پروں کا ذکر بھی کیا ہے کہ ان میں سے بعض کے دو دو، بعض کے تین تین اور بعض کے چار چار پر ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے تخلیق میں اضافہ فرما دیتا ہے (سورۃ فاطر، آیت 1 کا مفہوم)۔

فرشتے اللہ کی کامل فرمانبردار مخلوق ہیں۔ قرآن میں ان کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں (سورۃ التحریم، آیت 6 کا مفہوم)۔ ان میں کھانے پینے، سونے اور جنسی تمیز جیسی انسانی خصوصیات نہیں ہیں اور وہ ہر وقت اللہ کی تسبیح و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، بعض انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، بعض حفاظت پر مامور ہیں اور بعض دیگر خدائی انتظامات کی انجام دہی کرتے ہیں۔ ان کی تفصیلی فہرست قرآن و حدیث کے مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ہے اور ان میں سے ہر تفصیل پر مجموعی ایمان لانا واجب ہے، جبکہ جن فرشتوں کے نام و کام نصوص میں آئے ہیں، ان پر معین ایمان بھی مطلوب ہے۔

فرشتوں کی اہم خصوصیات

فرشتوں کی نمایاں خصوصیات میں سے پہلی خصوصیت معصومیت و فرمانبرداری ہے، یعنی ان سے گناہ و نافرمانی کا صدور نہیں ہوتا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف صورتیں اختیار کر سکتے ہیں؛ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے انسانی صورت میں آنے کا ذکر حدیثِ جبریل اور دیگر روایات میں آیا ہے۔ تیسری خصوصیت ان کی عظیم طاقت و سرعت ہے کہ وہ لمحوں میں آسمان و زمین کے فاصلے طے کر لیتے ہیں۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے ذکر و تسبیح میں مصروف ہیں اور مومنوں کے لیے دعائے

مغفرت بھی کرتے ہیں (سورۃ غافر، آیات 7 تا 9 کا مفہوم)۔ ان خصوصیات کا ذکر کرنے سے طالب علم کے ذہن میں فرشتوں کا درست تصور قائم ہو جاتا ہے اور وہ خرافاتی تصورات سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام

چار بڑے فرشتوں میں سب سے افضل و مشہور حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کی سب سے بڑی ذمہ داری وحی پہنچانا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام انبیاء کرام تک لاتے رہے اور قرآن مجید مکمل طور پر انہی کے واسطے سے نازل ہوا۔ قرآن میں انہیں روح الامین اور روح القدس بھی کہا گیا ہے (سورۃ الشعراء، آیات 192 تا 195 اور سورۃ النحل، آیت 102 کا مفہوم)۔ اس کے علاوہ روایات میں آتا ہے کہ وہ انبیاء کی مدد و نصرت اور اللہ کے احکام کی تنفیذ کے مختلف امور میں بھی شرکت فرماتے رہے۔ لیلۃ القدر میں فرشتوں اور روح کے نزول کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے (سورۃ القدر، آیت 4 کا مفہوم)، جس میں مفسرین کے نزدیک روح سے مراد حضرت جبرائیل ہی ہیں۔

حضرت میکائیل علیہ السلام

حضرت میکائیل علیہ السلام ان فرشتوں میں سے ہیں جن کا نام قرآن میں حضرت جبرائیل کے ساتھ صراحت سے آیا ہے (سورۃ البقرہ، آیت 98 کا مفہوم)۔ ان کی مشہور ذمہ داری بارش برسانا، ہواؤں اور بادلوں کا انتظام اور مخلوق کے رزق کی تقسیم کے خدائی نظام کی نگرانی بیان کی جاتی ہے۔ کائنات میں رزق و بارش کا یہ پورا نظام دراصل اللہ کے حکم سے فرشتوں کے ذریعے چلتا ہے اور حضرت میکائیل اس شعبے کے سب سے بڑے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اسباب کی دنیا کے پیچھے بھی اللہ کی تدبیر کارفرما ہے اور رزق کا اصل مالک اللہ ہی ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام

حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ذمہ داری صور پھونکنا ہے۔ قیامت کے قیام کا آغاز ان کے پہلے صور سے ہو گا جس سے تمام زندہ مخلوق پر بے ہوشی و موت طاری ہو جائے گی، اور دوسرے صور سے سب دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے (سورۃ الزمر، آیت 68 کا مفہوم)۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت اسرافیل صور منہ سے لگائے اللہ کے

حکم کے منتظر ہیں۔ قرآن میں صور پھونکنے کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے، اگرچہ فرشتے کا نام قرآن میں صراحت سے نہیں آیا، بلکہ احادیث میں ان کا نام و ذمہ داری بیان ہوئی ہے۔ اس فرشتے کی ذمہ داری کا ذکر انسان کو آخرت کی یاد دہانی کراتا ہے۔

ملک الموت (حضرت عزرائیل)

چوتھے بڑے فرشتے ملک الموت ہیں، جن کی ذمہ داری مخلوق کی روحیں قبض کرنا ہے۔ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ موت کا فرشتہ، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمہاری روح قبض کرتا ہے (سورۃ السجدہ، آیت 11 کا مفہوم)۔ عزرائیل کا نام قرآن میں نہیں آیا بلکہ یہ نام روایات و اہلِ کتاب کی منقولات میں مشہور ہوا ہے، اس لیے درست تعبیر ملک الموت ہی ہے۔ روایات کے مطابق ان کے ماتحت معاون فرشتے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے حکم سے روح قبض کرنے کے عمل میں شریک ہوتے ہیں، اور نیک و بد کی روح قبض ہونے کی کیفیات میں فرق بھی روایات میں بیان ہوا ہے۔ ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ موت ایک منظم خدائی نظام کے تحت واقع ہوتی ہے، بے قاعدہ نہیں ہوتی۔

جدول: چار بڑے فرشتے اور ان کی ذمہ داریاں

فرشتہ	اہم ذمہ داری	نمایاں حوالہ / مراجعہ
حضرت جبرائیل علیہ السلام	انبیاء تک وحی پہنچانا؛ قرآن کا نزول	سورۃ الشعراء 192–195؛ سورۃ النحل 102؛ سورۃ القدر 4
حضرت میکائیل علیہ السلام	بارش، ہوائیں اور رزق کے نظام کی نگرانی	سورۃ البقرہ 98 (نام کی صراحت)
حضرت اسرافیل علیہ السلام	قیامت کے لیے صور پھونکنا (دو مرتبہ)	سورۃ الزمر 68؛ احادیثِ صور
ملک الموت	مخلوق کی روحیں قبض کرنا	سورۃ السجدہ 11

فرشتوں پر ایمان کے ثمرات

فرشتوں پر ایمان کے عملی ثمرات بھی اہم ہیں۔ انسان جب یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے دائیں بائیں اعمال لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں (سورۃ الانفطار، آیات 10 تا 12 کا مفہوم) تو اس کے اندر خود احتسابی پیدا ہوتی ہے۔ حفاظت پر مقرر فرشتوں کا تصور اللہ کی حفاظت و عنایت کا احساس دلاتا ہے۔ مومنوں کے لیے فرشتوں کی دعا کا عقیدہ امید و تعلق باللہ کو مضبوط کرتا ہے۔ یوں یہ عقیدہ محض نظری معلومات نہیں رہتا بلکہ کردار سازی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ملائکہ نور سے پیدا کی گئی اللہ کی فرمانبردار و معصوم مخلوق ہیں جو کائنات کے مختلف انتظامات پر مقرر ہیں۔ ان میں سے چار فرشتے خاص طور پر مشہور ہیں: جبرائیل وحی کے لیے، میکائیل بارش و رزق کے نظام کے لیے، اسرافیل صور کے لیے اور ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے۔ ان سب پر ایمان لانا ارکانِ ایمان کا حصہ ہے اور اس ایمان کے دل و کردار پر گہرے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سوال نمبر 5: وحی کا مفہوم اور نزولِ وحی کے طریقے

سوال نمبر 5: وحی کا لغوی و اصطلاحی معنی اور نزولِ وحی کے اہم طریقوں کی وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

وحی نبوت و رسالت کی بنیاد ہے۔ اگر وحی کا راستہ نہ ہو تو انسان کے پاس اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ باقی نہ رہے۔ عقیدے کے مباحث میں وحی کا مفہوم، اس کی حقیقت اور اس کے نزول کے طریقے سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کا نزول اور اس کی حفاظت اسی سے وابستہ ہے۔ اس جواب میں پہلے وحی کے لغوی و اصطلاحی معانی بیان کیے جائیں گے، پھر قرآن میں لفظ وحی کے مختلف استعمالات کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے بعد نزولِ وحی کے اہم طریقے تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

وحی کا لغوی معنی

لغوی اعتبار سے وحی کے معنی خفیہ اور تیز اشارہ کرنا، کوئی بات پوشیدہ طریقے سے دل میں ڈال دینا اور سرعت کے ساتھ پیغام پہنچانا ہے۔ اس لفظ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پوشیدگی اور تیزی دونوں مفاہیم شامل ہوتے ہیں، یعنی پیغام اس طرح پہنچایا جائے کہ دوسروں کو خبر نہ ہو اور اس میں تاخیر بھی نہ ہو۔ اہلِ لغت نے الہام، اشارہ، کتابت اور کلامِ خفی کو بھی اسی لفظ کے مفاہیم میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں یہ لفظ اپنے وسیع لغوی مفہوم میں کئی طرح کی ہدایت و رہنمائی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قرآن میں وحی کے مختلف استعمالات

قرآن مجید میں وحی کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی سے مراد اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی رہنمائی ہے (سورۃ النحل، آیت 68 کا مفہوم)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی سے مراد دل میں بات ڈال دینا یعنی الہام ہے (سورۃ القصص، آیت 7 کا مفہوم)۔ آسمانوں کی طرف وحی سے مراد ان کے احکام و نظام کا مقرر کر دینا ہے (سورۃ فصلت، آیت 12 کا مفہوم)۔ حواریوں کی طرف وحی کا ذکر بھی الہام کے معنی میں آیا ہے (سورہ المائدہ، آیت 111 کا مفہوم)۔ ان تمام استعمالات سے واضح ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ ہر جگہ شرعی وحی کے اصطلاحی معنی میں نہیں آتا؛ اصطلاحی وحی صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔

وحی کا اصطلاحی معنی

اصطلاحِ شریعت میں وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ کلام و ہدایت ہے جو اللہ اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء کرام پر نازل فرماتا ہے تاکہ وہ اسے انسانوں تک پہنچائیں۔ اس وحی کی دو بڑی صورتیں علما نے بیان کی ہیں: وحیِ متلو، یعنی قرآن مجید، جس کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اور اس کی تلاوت عبادت ہے؛ اور وحیِ غیر متلو، یعنی سنت و حدیث، جس کے معانی اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ دونوں کی حجیت کا انکار ممکن نہیں، البتہ ان کا درجہ و احکام باہم مختلف ہیں۔ وحی کی یہ خصوصیت بھی اہم ہے کہ نبی اس میں اپنی خواہش سے کچھ اضافہ یا کمی نہیں کرتا، جیسا کہ قرآن میں نبی کی گفتگو کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے (سورۃ النجم، آیات 3 تا 4 کا مفہوم)۔

نزولِ وحی کے طریقے: قرآنی بنیاد

نزولِ وحی کے طریقوں کی جامع بنیاد سورۃ الشوریٰ کی آیت 51 میں ملتی ہے، جس کے مفہوم کے مطابق کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے، یا پھر اللہ کوئی فرستادہ بھیجے جو اس کے اذن سے وحی پہنچائے۔ اس آیت کی روشنی میں نزولِ وحی کی تین بنیادی صورتیں سامنے آتی ہیں: دل میں براہِ راست الہام والقا، پردے کے پیچھے سے کلام، اور فرشتے کے واسطے سے پیغام۔ ان بنیادی صورتوں کی ضمنی تفصیلات احادیث سے معلوم ہوتی ہیں، جن کا بیان آگے آ رہا ہے۔

سچے خواب

نزولِ وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ صحیح بخاری کی ابتدائے وحی والی روایت کے مفہوم کے مطابق نبوت کے آغاز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائے جاتے تھے جو صبح کی روشنی کی طرح واضح ثابت ہوتے تھے، اور یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، اس کے بعد فرشتے کے ذریعے وحی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اسی بنا پر سچے خواب کو نبوت کا ایک جز قرار دیا گیا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایات کا مفہوم)۔ یہ طریقہ صرف ابتدائی زمانے کے لیے نہیں رہا؛ زندگی بھر اہم امور میں خوابوں کے ذریعے رہنمائی ملنے کے واقعات سیرت میں ملتے ہیں، البتہ امت کے افراد کے خواب شرعی حجت نہیں ہوتے، یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رہنا چاہیے۔

فرشتے کا انسانی صورت میں آنا

وحی کا ایک معروف طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں حاضر ہوتے اور اللہ کا پیغام پہنچاتے۔ کبھی وہ صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے اور کبھی اجنبی مسافر کی صورت میں، جیسا کہ حدیثِ جبریل میں ایک سفید پوش اجنبی کی آمد کا ذکر ہے (صحیح مسلم کی روایت کا مفہوم)۔ اس صورت میں وحی کا سمجھنا نسبتاً آسان ہوتا تھا اور صحابہ بھی اس گفتگو سے مستفید ہو جاتے تھے۔ ایک اور صورت یہ بھی تھی کہ فرشتہ اپنی اصل صورت میں نظر آئے؛ روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا، جن کا ذکر سورۃ النجم کے مفاہیم سے بھی جڑتا ہے۔

گھنٹی کی آواز جیسی کیفیت

وحی کی سب سے سخت صورت وہ تھی جس میں گھنٹی بجنے جیسی آواز سنائی دیتی اور اس کے دوران کلام القا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مفہوم کے مطابق جب اس کیفیت میں وحی نازل ہوتی تو سخت سردی کے دن میں بھی آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا اور اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی کی روایت کا مفہوم)۔ اس سے وحی کی حقیقت کا ایک پہلو واضح ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی نفسیاتی تجربہ نہیں تھا بلکہ ایک غیر معمولی اور بھاری بھرکم تجربہ تھا، جیسا کہ قرآن میں بھی اس کلام کو بھاری قرار دیا گیا ہے (سورۃ المزمل، آیت 5 کا مفہوم)۔

دیگر صورتیں: نفث، کلامِ الٰہی اور القا

حضرت جبرائیل کا دل میں کلام ڈال دینا یعنی نفث بھی نزولِ وحی کی ایک صورت بیان کی گئی ہے، جس میں نہ آواز محسوس ہوتی تھی اور نہ فرشتہ نظر آتا تھا، بلکہ بات دل میں اتر جاتی تھی (صحیح مسلم کی روایات کا مفہوم)۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا پردے کے پیچھے سے براہِ راست کلام کرنا بھی ایک بلند صورت ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے خاص طور پر مشہور ہے اور معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس شرف کا حاصل ہونا روایات میں بیان ہوا ہے، جس کی تفصیلات میں نمازوں کی فرضیت کا واقعہ نمایاں ہے۔ ان تمام صورتوں کا خلاصہ ذیل کی جدول میں دیکھا جا سکتا ہے۔

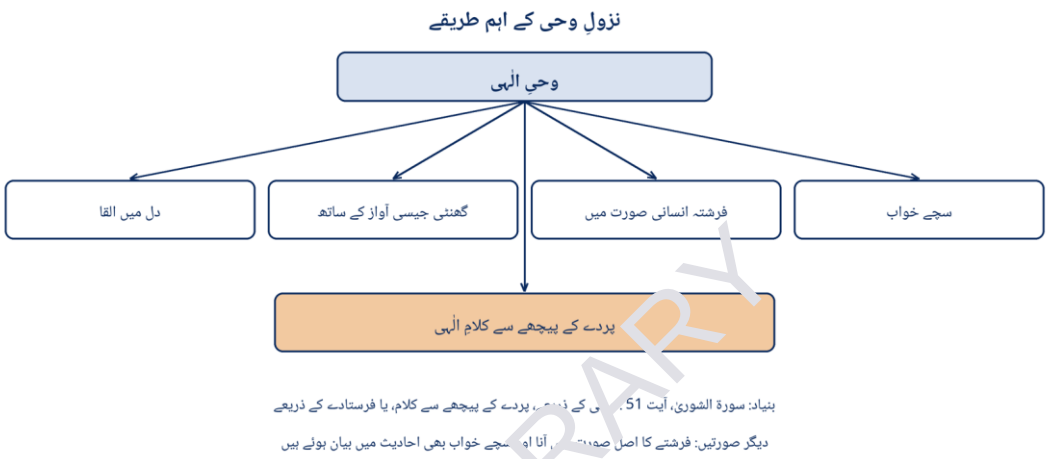

شکل: نزولِ وحی کے اہم طریقے

جدول: نزولِ وحی کے اہم طریقے

طریقہ	وضاحت	حوالہ / مراجعہ
سچے خواب	ابتدائے نبوت میں خواب کے ذریعے رہنمائی	صحیح بخاری، بدء الوحی
فرشتہ انسانی صورت میں	جبرائیل انسانی شکل میں پیغام لاتے	حدیثِ جبریل (صحیح مسلم)
فرشتہ اصل صورت میں	جبرائیل اپنی حقیقی صورت میں نظر آئے	سورۃ النجم کا مفہوم و روایات
گھنٹی جیسی آواز	سخت ترین کیفیت؛ آواز کے ساتھ القا	صحیح بخاری (روایتِ عائشہ رضی اللہ عنہا)
دل میں القا / نفث	بغیر آواز و صورت کے دل میں کلام اترنا	صحیح مسلم کی روایات
پردے کے پیچھے کلام	اللہ کا براہِ راست کلام (موسیٰ علیہ السلام؛ معراج)	سورۃ الشوریٰ 51؛ واقعۂ معراج

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ وحی لغت میں خفیہ و تیز پیغام رسانی کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں یہ اللہ کا وہ کلام ہے جو انبیاء پر نازل ہوتا ہے۔ اس کے نزول کے طریقے قرآنی بنیاد کے مطابق تین بڑی صورتوں میں سمیٹے جاسکتے ہیں، جبکہ احادیث کی روشنی میں سچے خواب، فرشتے کی آمد کی مختلف صورتیں، گھنٹی جیسی کیفیت، دل میں القا اور پردے کے پیچھے سے کلام اس کی نمایاں شکلیں ہیں۔ یہ تنوع اس بات کی دلیل ہے کہ وحی اللہ کی حکمتِ کاملہ کے تحت مختلف انداز سے آتی رہی اور اس کا مقصد ہمیشہ انسانیت کی ہدایت رہا ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com